تحقیق و تلاش

المنبہات

اپنے مصنف کی تلاش میں

محمد عبد اللہ الدہلوی، مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور

شاید ہی کوئی طالب علم حدیث ایسا ہوگا جو شیخ الاسلام حافظ الدنیا ابو الفضل احمد بن علی بن محمد ابن حجر عسقلانی المتوفی سنہ ۸۵۲ھ کے نام نامی سے آشنا نہ ہو۔ حافظ ابن حجر کا پایہ علم حدیث میں دنیا میں مانا ہوا ہے۔ شرح حدیث معرفت رجال، معرفت عالی و نازل اور علل حدیث میں یکتائے زمانہ تھے، متون حدیث پر ابن حجر کی وسعت نظر مسلم ہے، جس حدیث کے بارے میں کہدیں کہ یہ صرف آٹھ طرق سے منقول ہے، کسی کی مجال نہیں کہ نواں طریق نکال لائے، جس کسی راوی یا صحابی کے بارے میں فرمادیں کہ لم اقف لہ علی اسم، کسی کو سوائے اس کے چارہ نہیں کہ اسی جملہ کو نقل کرکے آگے چل دے جس حدیث کے متعلق لکھدیں کہ "لم اجدہ" اس کا ملنا ناممکنات میں سے ہے۔

آج اکثر و بیشتر فن رجال کا درجہ مدار ابن حجرؒ ہی کی تصانیف پر ہے۔ رجال کی دنیا آج ابن حجر ہی کی رہین منت ہے۔ ان کی ہر کتاب تحقیقات نادرہ سے پُر اور علوم حدیث کا گنجینہ ہے اور اپنے مصنف کے فضل و کمال کا کھلا ثبوت اور واضح دلیل ہے۔ جب کہیں کوئی حدیث ذکر کرتے ہیں، حوالہ کے بغیر نہیں ذکر کرتے بلکہ عام طور پر حدیث کے مقام پر بھی متنبہ فرما دیتے ہیں، اور یہ عادت حافظ کی اس قدر شائع و ذائع ہے کہ اگر کسی کتاب میں اس کے خلاف پایا جائے، مثلاً بلا نقد و حوالہ کوئی حدیث لکھی ہو، یا بخاری کی حدیث مثلاً ابن ماجہ وغیرہ کی طرف منسوب کردی ہو تو اہل علم کے لئے ایک حیرت کی چیز ہوگی۔ اور اگر کسی کتاب میں چند مقامات پر یہ بات دیکھی جائے تو خود کتاب کے بارے میں شک کیا جا سکتا ہے کہ آیا اس کا انتساب حافظ ابن حجر کی طرف صحیح بھی ہے یا نہیں۔

چنانچہ یہی بات زیر بحث رسالہ منبہات میں پیش آرہی ہے۔ اس رسالہ کا انتساب ابن حجر عسقلانی رح کی طرف اس قدر مجمع علیہ سا ہے کہ کسی کو جلدی سے شک و شبہ کی بھی گنجائش نہیں ہوتی، حتی کہ "ابن حجر" کتاب کے نام کا جزء بن گیا ہے، لیکن اس کے باوجود یہ ایک حقیقت ہے کہ اسکے اندر رطب و یابس احادیث کا وجود کسی طرح اس کی اجازت نہیں دیتا کہ اس کو حافظ ابن حجر کی طرف منسوب کیا جائے۔

رسالہ ہذا کا شیخ ابن حجر مکی کی طرف انتساب

اس سے پہلے بھی کہ کے بعض لوگوں نے اس رسالہ کو شیخ احمد بن محمد بن حجر مکی، المتوفی سنہ ۹۷۴ھ کے سر ڈالنے کی کوشش کی ہے، مگر تحقیق کی روشنی میں یہ بھی غلط ہے۔ تاریخ واقعہ سے قطع نظر جو وجہ حافظ ابن حجر عسقلانی کی طرف انتساب سے مانع ہے، وہی وجہ کچھ کم درجہ میں ان کی طرف بھی انتساب سے

مانع ہے، اگرچہ ان کا پایہ فنون حدیث میں ابن حجر عسقلانی جیسا نہیں، مگر ایسے بے خبر بھی نہیں کہ موضوع حدیث بلکہ احادیث نقل کرتے چلے جائیں اور پتہ بھی نہ چلے۔ چنانچہ انکی فتاویٰ حدیثیہ جیسی کتابیں اس پر شاہد عدل ہیں۔

موجودہ انتساب کے غلط ہونے کی وجوہ

اس کے علاوہ چند اور وجوہ ہیں جو اس کتاب کے ان مذکورہ دونوں بزرگوں میں سے کسی ایک کی بھی جانب انتساب سے مانع ہیں۔

پہلی وجہ

پہلی وجہ یہ ہے کہ حافظ ابن حجر عسقلانی نے تخریج حدیث میں بہت سی کتابیں تصنیف کی ہیں، مثلاً تلخیص الحبیر۔ الکافی الشاف فی تخریج احادیث الکشاف۔ تخریج الاذکار للنووی۔ تخریج احادیث المشکوٰۃ وغیرہ۔ لہٰذا جو شخص دوسروں کی کتابوں کے لئے حوالہ کا اس قدر اہتمام کرے وہ اپنی کتاب میں کیسے کوئی حدیث بلا حوالہ لا سکتا ہے، چہ جائیکہ پوری کتاب ہی بغیر حوالہ لکھ دی جائے۔ حوالجات کا اہتمام حافظ رح کے یہاں اس حد تک ہے کہ اپنی کسی کتاب میں کسی سے عبارت نقل کرنی ہو اور اس میں کوئی حدیث بلا حوالہ لکھی ہو تو عبارت نقل کرنے کے بعد خود اس حدیث کا حوالہ ذکر فرماتے ہیں، اور وہ حدیث کس درجہ و مقام کی ہے اس کی بھی نشان دہی فرما دیتے ہیں۔

آپ کی تمام تصانیف ایک ایک ورق کرکے دیکھ جایئے کوئی ایک حدیث بھی آپ بغیر حوالہ کے نہ پائیں گے۔ محدثین کے یہاں بلا حوالہ یا بغیر ذکر صحابی کسی حدیث کا لکھنا کچھ اچھی نگاہ سے نہیں دیکھا جاتا، بلکہ وہ اپنے لئے عار سمجھتے ہیں کہ بلا حوالہ کوئی حدیث ذکر کریں۔ المصابیح کے ساتھ یہ معاملہ پیش آچکا ہے۔ اس کی تمام احادیث ثابت ہیں اور بقول شیخ ولی الدین

خطیب تبریزی:-

"امام محی السنۃ کا کسی حدیث کا ذکر کرنا خود سند ہے، کیونکہ آپ ثقہ ہیں"

لیکن حوالہ اور اسماء صحابہ مذکور نہ ہونے کی بنا پر لوگوں نے اس قدر لے دے شروع کی اور اس کی احادیث کو بے اصل اور طریق تصنیف کو غلط و بے بنیاد کہنا شروع کیا کہ صاحب مشکوٰۃ کو اس میں حوالہ جات اور اسماء صحابہ کا اضافہ کرنا پڑا۔ بطور مثال ایک روایت لکھی جاتی ہے۔ مشکوٰۃ باب الحب فی اللہ ومن اللہ کی فصل ثانی (ص ۴۲۷) میں ایک حدیث ہے:-

"المرء علی دین خلیله فلینظر احدکم من یخالل"

صاحب مشکوٰۃ نے اس کا حوالہ لکھنے کے بعد اپنی عادت کے خلاف عہ علامہ نووی کے حوالہ سے لکھا ہے "اسنادہ صحیح" شیخ عبدالحق محدث دہلوی شرح مشکوٰۃ میں فرماتے ہیں کہ مؤلف کا مقصود اس سے یہ ہے کہ حافظ سراج الدین قزوینی نے جہاں مصابیح کی بہت سی احادیث کو بے اصل کہا ہے، اس روایت کو بھی موضوع قرار دیا ہے، لہٰذا ان کے نقد کا جواب دینا چاہتے ہیں۔ علامہ سیوطی فرماتے ہیں کہ حافظ ابن حجر نے حافظ سراج الدین قزوینی پر رد کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اس حدیث کو ترمذی نے حسن اور حاکم نے صحیح کہا ہے[۱]۔ ریاض الصالحین باب زیارۃ اہل الخیر میں علامہ نووی نے اس کو صحیح قرار دیا ہے[۲]۔ علامہ زرکشی فرماتے ہیں کہ ابن جوزی نے اس حدیث کو موضوعات میں شمار کرکے غلطی کی ہے[۳]۔ غور فرمائیے کہ آخر صاحب مصابیح پر کیوں اعتراض ہوا۔ محض

عہ صاحب مشکوٰۃ کی عادت عام طور پر حدیث پر کلام کرنے یا اس کا مقام متعین کرنے کی نہیں ہے۔

[۱] لمعات [۲] ریاض الصالحین ص ۱۷۲ (مصری) [۳] موضوعات کبیر ملا علی قاری۔

اس بنا پر کہ ان کی کتاب میں حوالہ نہ تھا - لہٰذا جس کا تجربہ
علمی دنیا ایک بار کر چکی ہے، حافظ الدنیا ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ
پھر اسی شکل میں کیسے پڑ سکتے ہیں - لا یلدغ المومن فی
جحر مرتین (احمد - بخاری - مسلم[۱])

دوسری وجہ

دوسری وجہ یہ ہے کہ منبہات میں کئی حدیثیں ایسی
ہیں جنہیں یا تو وہ خود اپنی بعض تصانیف میں نقد کر چکے ہیں
یا دوسرے ماہرین فن نے ان کے حدیث ہونے سے انکار
کیا ہے - مثلاً :-

پہلی حدیث موضوع

منبہات[۲] - میں ایک حدیث ہے عن رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم حبب الی من دنیاکم
ثلث الطیب والنساء الخ - اس کے بارے میں
حافظ عسقلانی تلخیص الحبیر میں فرماتے ہیں -

وقد اشتھر علی الالسنة بزیادة ثلاث وشرحه الامام ابوبکر بن فورك فی جزء علی ذلك وكذلك ذكره الغزالی فی الاحیاء ولم نجد لفظ ثلاث فی شئ من طرقه المسندة[۳] - اھ	یہ حدیث لفظ ثلاث کی زیادتی کے ساتھ ہی زبان زد ہے اور اسی طرح امام ابوبکر بن فورک نے اپنے ایک مستقل رسالہ میں اس کی شرح کر دی ہے اور امام غزالیؒ نے بھی (اس زیادتی سمیت) اس کو احیاء العلوم میں ذکر کر دیا ہے، ہمیں لفظ ثلاث کے ساتھ کہیں کسی روایت سند میں نہیں ملی -

اسی طرح الکافی الشاف فی تخریج احادیث الکشاف
میں سورہ آل عمران کی تفسیر میں علامہ موصوف فرماتے ہیں
کہ یہ زیادتی کہیں نہیں، تمام کتب احادیث میں حبب الی
من دنیاکم الطیب والنساء الخ ہے - بلکہ اس لفظ کے بقاء کی صورت
میں معنی کے اندر بھی فساد آتا ہے[۴]" -

اور شیخ ابن حجر مکی نے بھی فتاویٰ حدیثیہ میں علماء کی اس
رائے کو نقل کرنے کے بعد اتفاق ظاہر کیا ہے، لہٰذا ایسی حالت
میں یہ حضرات اس حدیث کو اس زیادتی کے ساتھ اپنی تصانیف
میں کیسے جگہ دے سکتے ہیں - مجھے اس مقام پر اس حدیث کی
تحقیق و تخریج مقصود نہیں، محض ان دو حضرات کے کلام
سے مقصود پر استدلال کرنا ہے -

رہا یہ کہ کتاب تصوف کی ہے اور صوفیاء کے یہاں ان
چیزوں میں زیادہ چھان بین نہیں ہوا کرتی، اس لئے حافظ
بلا حوالہ اور نقد کے لکھتے چلے گئے - اس کا جواب یہ ہے
کہ اول تو یہ بات تمام صوفیاء کے بارے میں نہیں کہی
جا سکتی، یہ عادت صرف انھیں صوفیاء کی ہے جن کو فن
حدیث سے تعلق نہیں - اور حافظ ابن حجر صرف صوفی ہی نہیں
بلکہ تصوف تو ان کا غیر معروف ہے - اور اس کے برخلاف
محدثانہ شان ان کی رگ و ریشہ میں پیوست ہے. لہٰذا وہ
تصوف میں بھی تصنیف کریں تب بھی محدث ابن حجر ہی
رہ کر تصنیف کریں گے -

علامہ سیوطی ہی کو دیکھ لیجئے - رسالہ الخبر الدال فی
احوال القطب والاوتاد والابدال بھی جو خالص تصوف کے
موضوع پر ہے احادیث ہی کی روشنی میں لکھا ہے. تو جب
سیوطی کا یہ حال ہے تو حافظ ابن حجر کا کیا پوچھنا ! -

دوسرے یہ کہ بے اصل اور موضوع روایت کا ذکر
کرنا بغیر اس کا حال بیان کئے، کسی کے نزدیک بھی جائز نہیں
علامہ نووی شرح مسلم میں فرماتے ہیں کہ :-

---

۱ ابوداؤد وابن ماجۃ عن ابی ہریرۃ والطبرانی فی الاوسط والکبیر عن عمرو بن عوف المزنی ۲ ص ۲۱ ۳ ص ۲۷۱ ۴ ص ۲۷

"حدیث موضوع کا روایت کرنا حرام ہے اس شخص کے لئے جو اس کے لئے موضوع ہونے کو جانتا ہے یا اس کا ظن غالب یہ ہو کہ یہ موضوع ہے"۔

آگے فرماتے ہیں:۔

"اس سلسلہ میں حلال و حرام یا ترغیب و ترہیب اور وعظ وغیرہ میں کوئی فرق نہیں، مطلقاً حدیث موضوع کا روایت کرنا حرام اور اکبر الکبائر میں سے ہے جس پر جمیع اہل اسلام کا اجماع ہے[1]"

لہٰذا ایسی بے اصل حدیث کا ذکر کرنا حافظ ابن حجر تو کیا کسی معمولی عالم حدیث سے بھی بعید ہے۔

دوسری حدیث موضوع

اسی طرح الرباعی ص۳۷ میں ہے۔ قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذا کان یوم القیامۃ یوضع المیزان فیوتی باھل الصلوٰۃ فیوفون اجورھم بالمیزان ثم یوتی باھل الحج فیوفون اجورھم بالمیزان ثم یوتی باھل البلاء لا ینصب لھم میزان ولا ینشر لھم دیوان فیوتون اجورھم بغیر حساب حتی یتمنی اھل العافیۃ ان لو کانوا بمنزلتھم من کثرۃ ثواب اللہ تعالیٰ اھ

یہ الفاظ حدیث کی کسی کتاب میں نہیں ملتے۔ علامہ سیوطی نے اللآلی المصنوعہ میں بحوالہ ابن مردویہ اس کے قریب اور ہم معنی حضرت انس رضی اللہ عنہ سے ایک روایت ذکر کی ہے اور اس کے الفاظ پر مفصل کلام کیا ہے۔ لکھتے ہیں کہ اس کے رواۃ ضعفاء و متروکین ہیں۔ یعنی وہ لوگ جن کی احادیث ائمہ حدیث نے ترک کر دی ہیں۔ لہٰذا حافظ کی شان سے بعید ہے کہ وہ متروکین کی احادیث اپنے رسالہ میں لائیں اگرچہ حافظ ابن حجر نے اپنے رسالہ الخصال المکفرۃ عن الذنوب المتقدمۃ والمتاخرۃ میں بعض ایسی روایات بھی لکھی ہیں جن کے بعض طرق مجروح ہیں، لیکن حافظ نے بعض دوسرے حوالوں اور مستند شواہد کے ذریعہ ان کی تائید کر دیا ہے۔ لہٰذا اگر حافظ ان سے اس رسالہ میں ایسی روایات ذکر بھی کرتے تو مفصل تحقیقات کے ساتھ اس کی تائید میں ضرور ذکر کرتے چہ جائیکہ مطلقاً خاموشی اختیار کر لیں۔ بے اصل اور غلط احادیث سے استدلال کرنا ان لوگوں کی عادت ہوتی ہے جن کے پاس احادیث صحیحہ نہ ہوں۔ لیکن بحر حدیث کے اس ماہر و کہنہ مشق غوطہ زن کو کیا پڑی کہ اس قسم کی بے سر و پا روایات جمع کر کے وبال جان سر لے۔ اعاذہ اللہ منہ۔

تیسری حدیث موضوع

منبہات باب الثمانی کے اندر ایک حدیث ہے:

قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم ثمانیۃ اشیاء لا تشبع من ثمانیۃ العین[1] من النظر والارض[2] من المطر والانثی[3] من الذکر والعالم[4] من العلم والسائل[5] من المسئلۃ والحریص[6] من الجمع والبحر[7] من الماء والنار[8] من الحطب اھ۔

علامہ شیخ محمد بن طاہر نے تذکرۃ الموضوعات میں لکھا ہے اربع لا یشبعن من اربع ارض من مطر وانثی من ذکر وعین من نظر وعالم من علم۔ اس کی سند میں حسین ابن علوان اور عبدالسلام بن عبدالقدوس ہیں اور دونوں ضعیف ہیں۔ اور میزان میں ہے کہ حسین بن علوان جھوٹا آدمی ہے، حدیثیں گھڑا کرتا تھا۔ اور عبدالسلام موضوع حدیثیں روایت کرتا تھا۔ ملا علی قاری نے بھی الموضوعات الکبیر میں یہ روایت بالفاظ شیخ محمد بن طاہر نے ذکر کی ہے اور اس کے بعد لکھا ہے کہ ابن جوزی نے اس کو موضوع قرار دیا ہے۔ آگے حاکم کی تاریخ نیشاپور اور ابونعیم کی

[1] موضوعات کبیر ص۹

حلیۃ الاولیاء کا حوالہ دینے کے بعد فرماتے ہیں کہ اس کی سند میں محمد بن الفضل بن عطیہ ہیں جن پر کذب و وضع حدیث کا الزام ہے۔ زرکشی کہتے کہ ابن عدی نے اس کو ذکر کرکے کہا ہے کہ یہ حدیث منکر ہے۔ منوخی کہتے ہیں، غالب یہ ہے کہ یہ کسی حکیم کا قول ہو[1]۔ یہ سب رد و کد حدیث کے نصف میں ہے، باقی نصف کا کہیں ذکر تک بھی نہیں۔ فضیلت علم پر بیہقی و حاکم کی مرفوع روایت "منہومان لا یشبعان منہوم فی العلم لا یشبع منہ ومنہوم فی الدنیا لا یشبع منہا" ہے۔ لیکن اس حدیث سے منہومات کی حدیث مذکور پر استدلال نہیں کیا جا سکتا، یہ حدیث اور ہے وہ اور۔

چوتھی حدیث موضوع

اسی طرح باب السباعی میں حدیث ہے۔ قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم الدنیا دار من لا دار له ومال من لا مال له ولها یجمع من لا عقل له ویشتغل بشہوتہا من لا فہم له وعلیہا یعاقب من لا علم له ولہا یحسد من لا لب له ولہا یسعی من لا یقین له۔ اھ

یہ روایت مسند احمد میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے صرف اتنی منقول ہے :-

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الدنیا دار من لا دار له ومال من لا مال له ولها یجمع من لا عقل له[3]۔ اھ

امام غزالی نے احیاء العلوم میں اور زیادہ مفصل لکھی ہے جس کے الفاظ یہ ہیں :-

قال صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم الدنیا دار من لا دار له ومال من لا مال له ولها یجمع من لا عقل له وعلیہا یعادی من لا علم له وعلیہا یحسد من لا فقه له ولها یسعی من لا یقین له[4]۔ اھ

یقین رکھنے کی بات

اس حدیث کے بارے میں حافظ عراقی کی رائے لکھنے سے قبل ایک بات سمجھ لینی چاہئے کہ جن لوگوں نے مستقل طور پر علم حدیث کو اپنا میدان محنت نہیں بنایا بلکہ بوقت حاجت احادیث ذکر کرتے رہے انکی کتابوں میں عموماً احادیث کا یہی حال رہتا ہے۔ چنانچہ ملا علی قاری نے الموضوعات الکبیر میں حدیث من قضی صلوٰۃ من الفرائض فی آخر جمعۃ من شہر رمضان کان ذلک جابر لکل صلوٰۃ فائتۃ فی عمرہ سبعین سنۃ پر کلام کرتے ہوئے لکھا ہے :-

" ثم لا عبرۃ بنقل النہایۃ ولا بقیۃ شراح الہدایۃ فانہم لیسوا من المحدثین ولا اسندوا الحدیث الی احد من المخرجین[5] " اھ

یہی حال امام غزالی کا ہے۔ احیاء العلوم میں بہت سی احادیث ذکر کر گئے ہیں کہ اگر ان کا حال انہیں معلوم ہو جاتا تو کسی طرح اپنی کتاب میں ان کو جگہ نہ دیتے۔ راقم سطور کو احیاء دیکھنے کی ضرورت کم ہی پڑتی ہے۔ لیکن اسکے باوجود جو مختلف اوقات میں عراقی کی تخریج سے کتاب کے سرورق پر لکھتا رہا، اسی میں ایک اچھی خاصی فہرست موضوعات احیاء کی بن گئی ہے جو اب تک بلا کسی اہتمام کے پچاس سے زائد احادیث موضوعہ پر مشتمل ہے جن کو عراقی نے قطعاً بے اصل کہا ہے۔

تو میں یہ عرض کر رہا تھا کہ ان حضرات کو چونکہ احادیث کے صحت وسقم سے بحث نہیں ہوتی بلکہ اپنے مضمون کی تائید میں

---

۱ الموضوعات الکبیر ص ۱۹ ۔ ۲ ص ۶۱ ۔ ۳ مسند احمد جلد ۶ ص ۷۱ ۔ ۴ احیاء العلوم جلد ۳ ص ۱۷۶ ۔ ۵ الموضوعات الکبیر ص ۴۷ ۔

جب حدیث کی ضرورت پڑتی تھی تو عموماً جن الفاظ کے ساتھ کوئی حدیث یادداشت میں پڑی ہوتی ہے انھیں الفاظ کے ساتھ لاکر استدلال کر لیتے ہیں۔ اور چونکہ کتاب بحیثیت مجموعی اس قابل نہیں ہوتی کہ اس کو ردی کی ٹوکری میں ڈال دیا جائے۔ اس لئے محدثین کتاب کی اس حدیثی کمزوری کو دور کرنے کی فکر کرتے ہیں تاکہ بے فکری ہو کر کتاب سے استفادہ کیا جاسکے چنانچہ تخریج حدیث، فنون حدیث کا ایک خاصا اہم موضوع بن گیا ہے۔ ہدایہ کی تخریج زیلعیؒ نے کی۔ پھر اس کی تلخیص حافظ ابن حجر نے کی۔ کشاف کی احادیث کی تخریج بھی اول زیلعی نے کی اور حافظ نے اس کی تلخیص بنام الکافی الشافی کی اسی طرح حافظ نے تلخیص الحبیر لکھی اور مشکوٰۃ کی احادیث کی تخریج بھی کی، اسی طرح کتاب الاذکار للنووی کی تخریج بھی کی ملا علی قاریؒ نے ایک چھوٹے سے رسالہ میں شرح عقائد کی احادیث کی تخریج کی۔

بات طویل ہوگئی۔ مجھے عرض صرف یہ کرنا تھا کہ صرف ان حضرات کا کسی روایت کو اپنی تصنیف میں لے آنا اس بات کا ثبوت نہیں ہے کہ یہ ثابت و مستند بھی ہو۔ علامہ سبکی نے طبقات الشافعیہ میں امام غزالی کے حالات لکھتے ہوئے ایک مستقل عنوان کے اندر احیاء العلوم کی تمام احادیث کو گنایا ہے جن کی کوئی اصل نہیں مل سکی اور ان احادیث کی اچھی خاصی تعداد ہے[1]۔

چنانچہ حافظ زین الدین عراقی المتوفی ۸۰۶ھ تخریج احیاء میں مسند احمد کی حدیث مذکور نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ "بقیہ مسند کے اندر نہیں ابن ابی الدنیا اور بیہقی نے بھی دمالی من مالی له کے ساتھ ہی نقل کی ہے"

معلوم ہوا کہ حدیث میں ثابت صرف تین اجزاء ہیں اس سے زائد حافظ عراقی کو بھی نہیں ہے۔ اگر کسی کمزور سے کمزور حوالہ کا بھی ان کو علم ہوتا تو وہ ضرور ان کو لکھتے، اس لئے کہ وہ احیاء العلوم کی تخریج احادیث ہی کر رہے ہیں۔ اسی طرح احیاء العلوم کے وسیع النظر محقق شارح علامہ زبیدی نے اس کی تائید میں کوئی کلام نہیں کیا بلکہ عراقی کے کلام کو نقل کرنے کے بعد خاموشی اختیار کی ہے[2]۔ حالانکہ ان کی عادت ہمیشہ یہ رہی ہے کہ حافظ عراقی کے کلام میں اگر کسی حوالہ کی کمی ہو تو خود اس کو مفصل ذکر کرتے ہیں بلکہ اکثر و بیشتر مع السند روایت نقل کر کے اس کے رواۃ پر کلام بھی کرتے ہیں۔ متعدد احادیث کے بارے میں حافظ عراقی سے بہتر کلام علامہ زبیدی کا معلوم ہوتا ہے۔

اب بخوبی واضح ہو گیا کہ اس روایت کا اکثر حصہ بے اصل ہے جس کے ذکر کرنے سے حافظ کی شان بہت بلند ہے۔ یہ چند حدیثیں بطور نمونہ پیش کی گئیں۔ اس کے علاوہ یہ کتاب اس قسم کی روایات سے پر ہے۔

اب تک خود کتاب کی اپنے مصنف کے بارے میں شہادت تھی۔ اب مؤرخین کی رائے بھی سنئے :-

(باقی آئندہ)

---

[1] دیکھئے طبقات الشافعیہ للسبکی جلد ۴ صفحہ ۱۴۶ وغیرہ [2] دیکھئے اتحاف السادہ جلد ۸ صفحہ ۸۳۔

المنبہات اپنے مصنف کی تلاش میں

قسط دوم

مولوی محمد عبد اللہ لدھلوی، مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور

تاریخی شہادت

علامہ کاتب چلپی کشف الظنون عن اسامی الکتب والفنون میں فرماتے ہیں :-

"المنبھات علی الاستعداد لیوم المعاد للنصح والوداد مختصر لزین القضاۃ احمد بن محمد الحجری المتوفی سنہ جمع فیہ احادیث ونصائح من الواحد الی العشرۃ مثنی وثلاث ورباع اولہ الحمد للہ رب العالمین الخ قال فھذہ منبھات علی الاستعداد لیوم المعاد اھ[1]

علامہ کاتب صاحب کشف الظنون کا مقام تاریخ میں بالخصوص تاریخ کے ایک مخصوص باب کتب و فنون کے بارے میں اہل علم کے نزدیک بہت بلند ہے اور متعدد مواقع پر دیکھا گیا ہے کہ بڑی تحقیق و تفتیش کے ساتھ حالات لکھتے ہیں، اگرچہ بعض جگہ سن وفات وغیرہ میں ان کا قلم بہک بھی گیا ہے لیکن مصنفین کی تعیین میں (ایک آدھ مقام کو مستثنی کرکے) انتہائی متثبت ہیں۔

دوسری تاریخی شہادت

یہ رسالہ المنبہات جو تنا مشہور و معروف ہے اس کا اندازہ آگے اس کے متعدد تراجم دیکھنے سے ہو جائے گا کہ ہر زمانے میں لوگوں نے کتنا اس کو پسند کیا اور استفادہ کیا ہے اور کس قدر لوگوں کو اس کی طرف توجہ رہی ہے لیکن اس کے باوجود کوئی مؤرخ و تذکرہ نگار حافظ ابن حجر کی تصانیف میں اس کا تذکرہ نہیں کرتا۔ تذکرہ نگاروں نے اس سے چھوٹے چھوٹے رسائل و تحریرات کا ذکر کیا ہے لیکن اس کا کوئی ذکر نہیں۔ جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ حافظ کا اس رسالہ سے کوئی تعلق نہیں۔

تنبیہ

لسان المیزان مطبوعہ حیدرآباد کی آخری جلد میں خاتمہ کے اندر مصحح کی طرف سے حافظ ابن حجر کے حالات ان کی تصانیف وغیرہ کافی بسط کے ساتھ لکھے گئے ہیں، جس میں انھوں نے منبہات کو بھی آپ کی تصانیف میں شمار کیا ہے۔ ہمارا خیال ہے کہ محض شہرت کی بنا پر ایسا ہوا ہے، کیونکہ کتاب کے سرورق پر بھی نام "منبہات ابن حجر" لکھا ہوا ہے، اور اندر بھی مقدمہ میں یہی نام ہے اس لئے غالبًا اس کو کافی سمجھا گیا اور مزید تحقیق و تلاش کی ضرورت نہیں سمجھی گئی۔ اس سلسلہ میں ایک بات اور ذہن نشین کر لینی چاہئے کہ متاخرین نے جو اپنی تصانیف میں

[1] کشف الظنون جلد ۲ صـ ۳۴۳

اس رسالہ سے کوئی اقتباس کیاہے اور اس کے ساتھ یہ کہاہے کہ حافظ ابن حجر اپنے رسالہ منبہات میں یہ فرماتے ہیں۔ یہ اس بات کا ثبوت نہیں کہ وہ حضرات اس رسالہ کا انتساب تحقیقی طور پر حافظ کی طرف صحیح مانتے ہوں بلکہ اسی شہرت کی وجہ سے یہ نام لکھدیا جاتا ہے چنانچہ ایسے بعض حضرات کے سامنے جب یہ تفصیلات رکھی گئیں تو انھوں نے اقرار کیا کہ "ہم نے تو محض شہرت کی وجہ سے ایسا لکھدیا ہے، ہمیں اس کی تحقیق بالکل نہیں" اور کسی قدر شک کا بھی اظہار کیا۔

منبّہات میں ادب عربی کی خامیاں

اب تک بحث بھی تاریخی اور فنی اعتبار سے، اب نمونہ کے طور پر چند ایک " ادبی خامیوں کا بھی تذکرہ کیاجاتا ہے، جس سے واضح ہوجائے گا کہ حافظ ابن حجر عسقلانی جو عربی زبان کے ایک ماہر مصنف اور کہنہ مشق شاعر ہیں، کیا ان سے اس قسم کی لسانی خامیاں سرزد ہوسکتی ہیں۔ مثلاً

(ص۱۶) واسئل عمن مسئلت فانت اسیرہ

مراد یہ ہے کہ جو شخص کسی سے کچھ مانگتا ہے وہ اس دینے والے کا قیدی ہوجاتا ہے، یعنی شرم سے اس کی گردن جھکنے لگتی ہے۔ یہاں پر لفظ " عن " کا استعمال بالکل بے محل ہے کیونکہ سوال عربی زبان میں دو معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ اول مانگنا اور طلب کرنا۔ دوسرے پوچھنا اور دریافت کرنا۔ جب معنی اول میں استعمال ہو تو کسی صورت میں بھی اس کا صلہ عن نہیں آتا اور جب دوسرے معنی کے لئے اس کا استعمال ہو تو اس وقت بھی مفعول اول پر نہیں مفعول ثانی پر عن داخل ہوتا ہے یعنی جس شئی کے بارے میں سوال کیا جارہا ہے اس پر عن داخل کیاجاتا ہے قال اللہ تعالیٰ واسئلھم عن القریۃ التی کانت حاضرۃ البحر (اعراف ع) یعنی آپ ان (یہود) سے اس بستی کے متعلق سوال کیجئے جو دریا کے ساحل پر آباد تھی۔ یہاں پر عن داخل ہوا لیکن اس پر جس کے حالات دریافت کئے جاتے ہیں، اور جہاں مفعول ثانی کا ذکر کرنا مقصود نہ ہو، وہاں عن نہیں لایا جاتا، جیسے قال اللہ تعالیٰ واسئل القریۃ التی کنا فیھا والعیر التی اقبلنا فیھا (یوسف ع ۹)۔ جب یہ قاعدہ واضح ہوگیا تو اب دیکھئے کہ منبّہات کی اس عبارت میں سوال پہلے معنی میں مستعمل ہے اس کے باوجود عن داخل کیا گیا ہے۔

(ص۵٦) سئل عن بعض الحکماء ھل یعرف العبد اذا تاب الخ اس عبارت میں سوال معنی ثانی میں مستعمل ہے اور عن مفعول اول پر لایا گیا ہے یعنی جس شخص سے سوال ہو رہا ہے اس پر لایا گیا ہے اور یہ غلط ہے بعض الحکماء پر عن نہیں لایا جائے گا، بلکہ جس کے متعلق سوال کیا جارہا ہے اس پر لایا جائے گا۔ لہٰذا عبارت یوں ہونی چاہئے۔ سئل بعض الحکماء عن العبد ھل یعرف اذا تاب الخ

(ص٦١) سئل عن علی ما اثقل من السماء الخ۔ یہاں بھی حسب سابق عن کا استعمال صحیح نہیں۔

(ص٦٧) اضیع الاشیاء عشرۃ عالم لا یسئل عنہ الخ یہاں پر مراد یہ ہے کہ جس عالم سے کوئی دینی باتیں

۱؎ حافظؒ نے اپنے استاذ جلیل حضرت حافظ زین الدین عراقی کی وفات پر ایک بہت بلند قصیدہ کہا تھا جو علامہ جلال الدین سیوطی نے حسن المحاضرہ فی اخبار مصر والقاہرہ میں ذکر کیا ہے۔ اس کے علاوہ مختلف حدیثی مضامین کو بھی سہولت حفظ کی غرض سے نظم کیا ہے۔

نہ پوچھے وہ ضائع ہو جاتا ہے، یعنی اس کا علم مزاولہ نہ ہونے کی وجہ سے ختم ہونے لگتا ہے۔

یہاں عن کا استعمال بے محل ہے، یہ مضمون لا یسئل تک حاصل ہو گیا۔ اب آگے اگر عن علمہ وغیرہ کوئی لفظ لانا ہو تو اس پر عن آسکتا ہے ورنہ نہیں۔ موجودہ صورت میں عن کو باقی رکھ کر ترجمہ یوں ہوگا "وہ عالم جس کے متعلق سوال نہ کیا جائے" حالانکہ کلام سے یہ بالکل مقصود نہیں۔

یہ چار مقامات بطور نمونہ پیش کئے گئے۔ ادب عربی کا ذوق رکھنے والے حضرات اگر اس کا تنقیدی مطالعہ کریں تو اور بھی اس قسم کی بہت سی خامیاں پائیں گے۔

ممکن ہے کوئی صاحب یہ کہیں کہ یہ غلطیاں کتابت کی ہو سکتی ہیں، لیکن ذرا غور کیجئے تو واضح ہوگا کہ ایک ہی قسم کی غلطی بار بار نہیں آیا کرتی اور جب کہ عبارت کی تشکل بھی مختلف ہے۔ ایسی صورت میں کاتب کو غلطی نہیں ہوا کرتی۔ ہاں اگر ایک ہی سطر میں کوئی جملہ یا کوئی ہمشکل لفظ دو جگہ آگیا تو عموماً کاتب حضرات یک رخی غلطی کا شکار ہو جاتے ہیں۔ یعنی پہلے والے حرف کے بجائے سطر کا دوسرا حرف لکھ دیتے ہیں اور عجیب اتفاق یہ ہے کہ اس کے برعکس کبھی نہیں پیش آتا۔ ——— کیونکہ اس صورت میں کام بڑھ جاتا ہے نا! ———

اس غلط انتساب کی وجہ

ان تمام قرائن و شواہد سے یہ تو بات تقریباً صاف ہو گئی ہوگی کہ یہ انتساب صحیح نہیں ہے لیکن ذہن میں یہ سوال ضرور پیدا ہوتا ہے کہ آخر اس غلط انتساب کی وجہ کیا ہے، کیوں یہ رسالہ اپنے مصنف کے نام کے بجائے حافظ ابن حجر کی طرف منسوب ہو گیا؟ اس کا جواب بندہ کے خیال میں یہ ہے کہ مصنف منبہات کے نام ولقب میں اور حافظ ابن حجر کے نام ولقب میں تین وجوہ اشتباہ ہیں

پہلی وجہ اشتباہ

اس اشتباہ کی پہلی وجہ تو یہ معلوم ہوتی ہے کہ دونوں کا نام احمد ہے اور دونوں کے سلسلۂ نسب میں محمد آتا ہے

دوسری وجہ اشتباہ

مصنف منبہات کے نام کے ساتھ ہے "الحجرای" اور حافظ کے نام کے ساتھ ہے "الحجر" اور یہ سب جانتے ہیں، ابن حجر رح کا نام مشہور و معروف ہے اور متعدد کتابوں میں ذکر آتا رہتا ہے۔ اور احمد بن محمد الحجری غیر معروف شخصیت ہے اور نہ ہی کہیں کتابوں میں ان کا نام آتا ہے اور انکی کتاب بھی لے دے کے شاید یہی ایک ہے — اور یہ بھی .... اس لئے نہ ذہن اس نام سے مانوس و آشنا بھی نہ تھے۔ لہٰذا دیکھنے والوں نے "ی" زائد سمجھ کر حذف کر دی کہ ابن حجر کے ساتھ "ی" کی کیا ضرورت ہے؟ لہٰذا احمد بن الحجر رہ گیا۔

تیسری وجہ اشتباہ

تیسری وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ مؤلف منبہات کا لقب زین القضاۃ ہے اور ابن حجر عسقلانی کا لقب بعض لوگوں نے قاضی القضاۃ نقل کیا ہے، لہٰذا عجب نہیں کہ کسی کو زین القضاۃ اور قاضی القضاۃ میں اشتباہ ہو گیا ہو۔ واللہ اعلم۔

منبہات کے تراجم

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ منبہات کے بعض تراجم کا بھی تذکرہ کر دیا جائے تاکہ معلوم ہو کہ اس رسالہ کی طرف لوگوں کی کس قدر توجہ رہی ہے اور اہل علم نے کتنا اس کو عوام کے لئے مفید سمجھا ہے۔

پہلا ترجمہ

یہ ترجمہ تحت اللفظ ہے، از مولانا حافظ محب اللہ صاحب۔ ترجمہ کے ساتھ مفید حواشی بھی ہیں۔ یہ ترجمہ بین السطور ہے اور کئی بار شائع ہوا ہے۔ رجب سنہ ۱۳۲۷ھ مطابق اگست سنہ ۱۹۰۹ء میں مطبع مجتبائی دہلی سے، شوال سنہ ۱۲۷۸ھ وجمادی الثانی سنہ ۱۲۸۴ھ و محرم سنہ ۱۲۷۱ھ میں مطبع مصطفائی کانپور سے پھر سنہ ۱۲۸۴ھ میں طبع چہارم اسی مطبع سے ہوئی محرم سنہ ۱۳۱۳ھ مطابق جولائی سنہ ۱۸۹۵ء میں مطبع نظامی کانپور سے۔

دوسرا ترجمہ

یہ اردو ترجمہ مطبع گلزار محمدی لاہور سے شائع ہوا ہے اور اس کے مقدمہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سے قبل مطبع مصطفائی دہلی میں بھی شائع ہو چکا ہے، اس ترجمہ کا نام جامع السعادات ہے۔ اس میں اور مولانا محب اللہ کے مذکورہ ترجمہ میں معمولی سا فرق ہے۔

تیسرا ترجمہ

یہ ترجمہ سنہ ۱۳۷۱ھ میں مطبع قیومی کانپور سے شائع ہوا ہے۔ اس کے دیکھنے سے پتہ چلتا ہے کہ یہ مولانا محب اللہ صاحب ہی کے ترجمہ کو بعض جزوی ترمیم کے ساتھ اور بعض حواشی کے اضافہ کے ساتھ شائع کر دیا گیا ہے جس کی وجہ بظاہر تسہیل ہے۔

چوتھا ترجمہ

بزبان فارسی مولانا سبحان بخش صاحب، ساکن قصبہ شکارپور ضلع مظفر نگر نے رجب سنہ ۱۲۸۸ھ میں کیا اور شوال سنہ ۱۲۸۶ھ میں شائع ہوا۔ اس کے مقدمہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اردو ترجمہ ان کے سامنے رہا ہے، فرماتے ہیں "ترجمہ کتاب افاضت انتساب اعنی منبہات ابن حجر عسقلانی بفارسی کردہ شد باین لحاظ کہ مترجم اردو دراں دیار کہ سکان آنجا ازین زبان بہرہ ندارند بیکار می بود"۔

پانچواں ترجمہ

یہ ترجمہ مولانا ابو البیان صاحب کا ہے جو اردو زبان میں "تازیانے" کے نام سے سنہ ۱۹۵۴ء میں اصح المطابع کراچی سے شائع ہوا ہے۔

چھٹا ترجمہ

یہ ترجمہ مولانا عبد المجید صاحب مجاہدی رائچوٹی کا ہے، جس کا نام ہے "صبح سعادت" اس میں متن نہیں یہ ابھی ستمبر سنہ ۱۹۶۳ء میں ہیل وشارم نارتھ آرکاٹ سے شائع ہوا ہے۔

اس کے علاوہ مختلف حضرات نے اس رسالہ کے تراجم کئے ہیں اور اس میں شک نہیں کہ کتاب اپنی افادیت کے لحاظ سے بہت سی خوبیوں کی حامل ہے لیکن گفتگو تو اس کی احادیث کے بارے میں ہے کہ صحت و سقم کے لحاظ سے ان کا کیا مقام ہے۔ آخر دل پہ اثرانداز ہونے اور آخرت کو یاد دلانے والی ہر بات تو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب نہیں کی جا سکتی من کذب علی متعمداً فلیتبوأ مقعدہ من النار۔
(بخاری، مسلم وغیرہما)

ایک اور مؤید

ابھی نمبر ۵ میں جس ترجمہ کا ذکر ہوا ہے اس کے شروع میں اہل مطبع کی طرف سے عرض ناشر کے عنوان سے

ذیل کی سطور لکھی گئی ہیں، اور راقم الحروف کا خیال ہے کہ جو شخص فن حدیث اور نقد روایات سے کچھ بھی شُد بُد رکھتا ہوگا، وہ اس کتاب کو دیکھ کر یہی کہے گا
لکھتے ہیں :-

"بہرحال کتاب کے مطالعہ سے اتنا واضح ہے کہ اس کتاب کا مصنف کوئی ناقد فن محدث نہیں بلکہ ناصح اور واعظ ہے اسلئے ناظرین بھی اس کا مطالعہ محض نصیحت پذیری اور موعظت اندوزی ہی کی غرض سے فرمائیں"۔

شبہ

یہ شبہ نہ کیا جائے کہ کتاب کے مقدمہ میں جو عبارت لکھی گئی ہے اس میں حافظ ابن حجر ہی کا نام ہے، اس لئے کہ وہ عبارت یہ ہے :- ھذہ منبہات ما صنفہ الشیخ شہاب الملۃ والدین احمد بن علی بن محمد بن احمد العسقلانی الاصل ثم المصری الشافعی الشہیر بابن الحجر" اور ظاہر ہے کہ یہ عبارت خود مصنف کی نہیں ہو سکتی، لہٰذا اس کا کوئی اعتبار نہیں۔

ان سطور کی ضرورت و اہمیت

یہ چند سطور جو سپرد قلم کی جا رہی ہیں اس کا مقصد یہ ہے کہ ناظرین کے سامنے منبہات کے اصل مصنف کا نام آ جائے اور غلط فہمی دور ہو جائے تاکہ آئندہ کبھی اس کتاب کا مطالعہ کریں تو بالبصیرت کریں۔ دوسرے اس غلط انتساب کے چند نقصانات بھی ہیں، مثلاً

(۱) اول تو یہ بات بذات خود غلط ہے اور تاریخی غفلت ہے کہ کتاب کسی کی ہو اور منسوب کسی اور کی طرف کر دی جائے۔

(۲) دوسری بات یہ کہ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کی تنقیص اور ان کی شان میں دھبہ لگانا ہے، کسی رطب و یابس احادیث سے پُر کتاب کا ان کی طرف منسوب کرنا جس سے لوگوں میں ان کے تعارف پر اثر پڑتا ہے۔

(۳) تیسرا ایک بڑا نقصان یہ ہے کہ استفادہ کرنے والے حضرات یہ سمجھ کر کہ حافظ ابن حجر جیسے محقق کی کتاب ہے، بے دھڑک استفادہ کرتے اور اعتماد کرتے ہیں، حالانکہ اگر ان کو حقیقت حال معلوم ہو تو ہرگز اعتماد نہ کریں بلکہ ذرا سوچ سمجھ کر تحقیق و تنقید کے ساتھ نقل کریں۔ اب تو وہ اسی اعتماد کی بنا پر کہیں دوسری جگہ دیکھنے کی ضرورت ہی محسوس نہیں کرتے۔

گذارش

آخر میں اہل علم حضرات کی خدمت میں درخواست ہے کہ کوئی خامی پائیں تو بندہ کو مطلع فرما کر ممنون فرمائیں اور اگر اس سلسلہ کی مزید معلومات ان کے پاس ہوں تو راقم سطور استفادہ کی تمنا رکھتا ہے۔

جلد ۵۲ع

شمارہ ۷ع

دارالعلوم دیوبند کا علمی، دینی اور اصلاحی

ماہنامہ

دارالعلوم

جولائی سنہ ۱۹۶۸ء

نگرانِ اعلیٰ
حضرت مولانا قاری
محمد طیب صاحب مدظلہ

مدیر
ابن الانور
سید محمد ازہر شاہ قیصر

فہرست مضامین

چندہ سالانہ
ہندوستان سے
سات روپے

ممالک غیر سے
۲۲ شلنگ

پاکستان سے
سات روپے

فی پرچہ ۶۰ پیسے

(P-N-65)

رسالہ ہر انگریزی مہینے کی ۱۵ تاریخ کو شائع ہوتا ہے

طابع و ناشر
سید محمد ازہر شاہ قیصر

مطبوعہ
یونین پریس دہلی

مقام اشاعت
دارالعلوم دیوبند

یہ سرخ نشان اس بات کی علامت ہے کہ اس پرچہ پر آپ کا چندہ ختم ہو گیا ہے، ہندوستانی خریدار یہ اطلاع پاتے ہی اپنا چندہ نمبر خریداری کے حوالہ کے ساتھ دفتر کو بھیجدیں۔ وی۔ پی کا انتظار نہ کریں۔ اس لئے کہ وی۔ پی کا خرچ زائد اور وی۔ پی کی واپسی کی شکل میں دفتر کو شدید نقصان کا سامنا کرنا پڑتا ہے ـــــــ پاکستانی خریدار اپنا چندہ

ناظم صاحب رسالہ بینات مدرسہ عربیہ اسلامیہ نیو ٹاؤن کراچی ۵

کو روانہ کریں۔ کوپن پر انھیں لکھیں کہ یہ دارالعلوم کا چندہ ہے۔ • ڈاکخانہ کی رسید اپنے نمبر خریداری کے حوالہ کے ساتھ دفتر رسالہ دارالعلوم کو روانہ کریں۔ واضح ہو کہ اب رسالہ دارالعلوم کی کوئی رقم مولانا انوری لائل پور نہ بھیجی جائے (ناظم رسالہ)